محمد عارف مغل
پی ایچ۔ڈی سکالر

شیر افضل جعفری : پنجابی ثقافت کا عکاس

Poetry of an era depicts the culture of its age. Sher Afzal Jafery, in his poetry has presented local culture & tradition & use of local vocabulary. In this article his work has been evaluated

ثقافت بنیادی طور پر انسان کے رہن سہن کے طریقوں اور طرز عمل کا نام ہے۔ ہر معاشرے میں لوگ اپنے عقیدہ، رسم و راج کے مطابق رہتے ہیں۔ ان کے باہمی تعلقات کا انحصار بھی اپنے طور طریقوں پر ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر وہ معاشرہ جس میں افراد اجتماعی طور پر اپنی زندگی بسر کررہے ہوں اس میں موجود افراد کے رسم و رواج، مذہب ، رہن سہن اور عادات وغیرہ اس کی ثقافت کہلائیں گے۔

عام لفظوں میں ثقافت ہماری طرز زندگی کا مکمل خاکہ ہے یہ طرز عمل اپنی مخصوص صورتوں میں ایک نسل کو اپنے سے پہلے کی نسل سے ورثے سے ملتا ہے، لیکن اس میں کسی حد تک تبدیلی کا عمل جاری و ساری رہتا ہے۔

ثقافت ایک معاشرتی زندگی کی ایک ایسی کتاب ہے ۔ جو معاشرے کے ہر فرد کو ملتی ہے اور معاشرہ اس کتاب کا ایسا استاد ہے جو افراد کو اس کتاب کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ کتاب ہمارے آباؤ اجداد نے اپنی زندگی کے کردار سے تیار کی ہے۔ اس کتاب کی ابتدا ہماری معاشرتی زندگی کی ابتداء سے ہوئی تھی لیکن بعد میں آنے والی نسل اور ہر گروہ نے اپنے تجربات کی روشنی میں اس میں ترامیم کرکے اسے تخلیقی جہت عطا کی یعنی ثقافت کی یہ کتاب حالات کے ساتھ ساتھ تغیر پذیر رہی ہے۔ انسان کو انسانوں میں رہنا سکھاتی ہے۔ گروہی زندگی کو جاری رکھتی ہے ۔ انسانی زندگی کو برقرار رکھتی ہے اور تعلیم و تربیت کے ذریعے ثقافتی ترسیلی کا کام کرتی ہے، اخلاق و کردار ، قوانین اور ان کی خلاف ورزی، عقیدے، روایات و اقدار، بیاری ، معاشی زندگی اور اس سے متعلق جملہ مادی ساز و سامان سب ثقافت کے زمرے میں آتے ہیں۔ اس طرح شعر کہنا اور مابعد الطبیعات کو ادراک کی گرفت میں لانا کائنات کو تسخیر کرنا اور زندگی کو زندہ رہنے کے قابل بنانا ثقافت ہی ہے۔ ثقافت میں نظر آنے والی یہ وسعت اور گہرائی دراصل صدیوں کے انسانی رشتے، سوچوں اور اُمنگوں کی تخلیق ہے۔

ہمارے ملک میں ۷۵ فیصد آبادی دیہات میں رہتی ہے اور آج تک اس کی ریت وہی ہے جو آج سے صدیوں پہلے کی ہے۔ ہمارے دیہات کا رہن سہن ، کھانے پینے کے طریقے، لباس گھریلو سامان، شادی و بیاہ اور خوشی و غمی کے اظہار کے طریقے، رقص و موسیقی، لوک دھنیں، گیت، داستانیں، بہادری کے قصے وہی ہیں جو آج کی نسل کو اپنے میراث میں ملے ہیں۔ اس طرح کسی قوم کو لوک فن اس قوم کی تہذیب اور ثقافت بلکہ اس کی تاریخ کا بھی ایک اہم حصہ ہوتا ہے۔

ہمارے قومی کلچر کے مختلف اور رنگا رنگ پہلو ہمارے علاقائی کلچروں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ خاص طور پر دیہاتی علاقوں میں واضح طور پر نظر آتے ہیں اور اس کلچر کو شاعری میں بھی پیش کیا گیا ہے۔غزل بھی اس سے پہلو نہیں بچا سکی۔ بہت سے شعراء نے اپنی تہذیب اور کلچر کے موضوعات کو اپنے اپنے انداز میں پیش کیا ہے۔بعض شعرا نے اپنے کلام میں تہذیب و ثقافت کا اظہار بالواسطہ اور بلا واسطہ کیا ہے۔

ہر شاعر اورادیب اپنے ماحول کی Product (پروڈکٹ) ہوتا ہے۔ اگر اس رائے کو فائق مان لیا جائے تو ہمیں اس بات میں موضوع بحث بننے والے تمام نکات آسانی سے سمجھ آسکتے ہیں۔ ہر ادیب اپنے گردو پیش ، موسم، رسم و رواج، سماجی قدروں ، عقائد، معاشی معاملات اور رہن سہن کے خام مال سے بننے والی ایک شے ہوتا ہے درج بالا تمام عوامل یا خصائص ثقافت کی تشریح کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یایوں کہہ لیجئے کہ انہیں تمام عناصر سے مل کر ثقافت تشکیل پاتی ہے۔ ثقافت، شعوری اور غیر شعوری ہر دو سطحوں پر ادیب کے باطن اور اس کے شاہکار دونوں کا لازمی جز ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ثقافت ہی دراصل وہ اسم اعظم ہے جو اسلوب پر طرز نگارش کا تعین کرتا ہے۔

اسی تصور کو سمجھنے کے لیے اسب ہم دوسری طرح سے بات کرتے ہیں یعنی تخلیق کار کی طرف سے بات کرتے ہوئے اسلوب اور اس کے پیچھے موجود ثقافت کی بازیافت کرتے ہیں۔کسی تخلیق کار کی تخلیق کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم تین سطحوں پر اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

(i) موضوع (ii) لفظیات (iii) اندازِ بیان

موضوع جو کہ تخلیق کار کی نفسیات اور اس کے مزاج کے باہمی متناسب کردار سے تشکیل پاتا ہے ۔یعنی تخلیق کار کر رویہ اور زندگی کو دیکھنے کا انداز موضوع کا تعین کرتا ہے۔یعنی موضوع کا تعین لامحالہ اپنی ثقافت اور طرز زندگی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

لفظیات جب کوئی تخلیق کار کچھ کہنا چاہتا ہے تو اس کا موضوع اپنی مناسبت سے لفظیات کا تعین کر لیتا ہے۔ یہ عمل میکانکی ہوتا ہے۔بعض اوقات شعوری کوشش سے اس عمل کو زیادہ پراثر اور مفید بنایا جاسکتا ہے۔تاہم یہ مسلمہ ہے کہ الفاظ کا چناؤ اور استعمال تخلیق کار کے ذریعے سے ثقافت سرانجام دے رہی ہوتی ہے۔

اندازِ بیان درج بالا دو عوامل جب خوب صورت اور بہترین باہمی تناسب کی بنیاد پر ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو کر ظہور میں آتے ہیں تو تخلیق کار کے قلم سے ایک تحریر یا شعر پارہ قارئین سے داد پانے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ شعر پارہ یا نثر پارہ جس انداز میں سامنے آتا ہے ۔ اس کو انداز بیان کیا جائے گا یعنی اسلوب تو ہمیں پتہ چلا کہ اسلوب بھی بالواسطہ یا بلا واسطہ ثقافت سے ہی تشکیل پاتا ہے۔ان تمام معروضات کو ٹی۔ایس۔ایلیٹ کے بقول یوں کہا جاسکتا ہے۔

Style is a man himself.

اُردو غزل میں پنجابی ثقافت کے علمبردار شعرا میں سب سے پہلا نام یا سب سے اہم نام شیر افضل جعفری کا ہے۔

پاکستان کے اُردو غزل کے منظر نامے پر نظر دوڑائیں تو شیر افضل جعفری جہاں اپنے رنگ، ڈھنگ اور آہنگ کے اعتبار سے منفرد نظر آتا ہے ۔ وہاں اس کی غزل اپنے مقامی رنگ، پنجابی، سرائیکی لفظیات کی بہتات اور ایک درویش خداست کے نعرہ مستانہ کی گونج کی حامل نظر آتی ہے یقیناً شیر افضل جعفری اپنے شعری اسلوب میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ ایسے میں اس کا یہ دعویٰ بہت حد تک درست نہیں تو غلط بھی نہیں قرار دیا جاسکتا۔

''میں نے غزل کو نیا چہرہ دیا۔ آنے والی اُردو کی طرح ڈالی'' ۱؎

غزل کے چار شعری مجموعوں کے خالق شیر افضل جعفری کا غزل کو نیا چہرہ دینے کا دعویٰ تو مستقبل کی رفتار غزل کا رہن منت ہے البتہ یہ بات طے ہے کہ آج کی اُردو بلاشبہ وہ نہیں جو کبھی دہلی اور لکھنو کی پہچان تھی بلکہ پاکستان میں بولی جانی والی اور بلاشبہ غزل کے روپ میں ڈھلنے والی اُردو میں مقامی زبانوں اور بولیوں کی گھلاوٹ اور رچاؤ سے جو امتیاز پیدا ہوگیا ہے ۔ اس کی بدولت اسے پاکستانی اُردو کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اُردو کو یہ صورت دینے والوں میں شیر افضل جعفری یقیناً اہم ترین ناموں میں سے ایک ہے۔اس لیے سراج منیر کا یہ کہنا بھی توجہ طلب ہے:

''شیر افضل کی شاعری تہذیبی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے کہ یہاں تاریخ اور جغرافیائی پس منظر، علاقائی طرز احساس اور اُردو کے درمیان مفارقت کی فضا ختم ہوکر ایک نئی تراکیب جنم لے رہی ہے جو پاکستان کا تہذیبی امکانیہ اور برصغیر میں مسلمانوں کے تہذیبی سفر کی امین ہے۔'' ۲؎

شیر افضل جعفری کی غزل میں اس مقامی رنگ اور لفظیات کے نئے اجتہاد کے ساتھ ساتھ ایک درویشانہ سرمستی اور متغزلانہ سرجوشی کا عنصر بھی نمایاں ہے۔ اس حوالے سے شیر افضل کی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر حنیف فوق لکھتے ہیں کہ:

''شیر افضل جعفری نے غزل کو مقامی رنگ کی خصوصیات سے آشنا کیا ہے۔ ان کے یہاں غزل کی متغزلانہ سرجوشی اور روحانی سرمستی، کے ساتھ لفظوں کی نئی شکل سازی ملتی ہے۔ شیر افضل نے یہ شکل سازی جدید لسانی تشکیلات کا دعویٰ کرنے والوں سے کافی پہلے اور زیادہ متوازن انداز میں انجام دی ہے۔ ان کی غزل اپنا مخصوص انفرادی مزاج رکھتی ہے۔'' ۳؎

شیر افضل جعفری کی غزل کے مطالعے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان کے اس'' انفرادی مزاج'' میں تصنع کے بجائے بے ساختگی اور عوامی پن ہے جس سے غزل خواص کی محفلوں سے نکل کر عامۃ الناس کی مجلسوں میں قبولیت کا مقام حاصل کرنے والی صنف کا درجہ حاصل کرتی چلی جائے گی۔ شیر افضل جعفری کی غزل کے عمومی رنگ و آہنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے سمیع اللہ قریشی رقمطراز ہیں:

''شیر افضل جعفری کے ایوان شاعری میں لفظوں کے ملنگ بے نیازی سے جمع ہوئے ہیں کہ ان کے ہاں تصنع اور ملمع سازی کا شائبہ تک نہیں ہوتا ان کا فطری اور حقیقی رویہ قاری کے دل میں یقین

اور اعتماد کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔'' ۴؎

شیر افضل جعفری کی غزل میں اس مقامی رنگ اور لفظیات کو جہاں عمومی طور پر پسند کیا گیا ہے وہاں کچھ ناقدین نے اسے غزل کا حلیہ بگاڑنے کی ایک کوشش بھی قرار دیا۔ مثلاً نظیر صدیقی کی رائے یہ ہے:

'' تغزل کے معنی بدلنے والوں میں شیر افضل جعفری بھی ہیں جن کی ہر غزل میں نئے خیالات اور نئی تشبیہات تو ضرور ملتی ہیں لیکن جن کے یہاں نئے اور مضحک "Grotesque" میں کوئی فرق نہیں ہے۔ غزل پر شیر افضل جعفری کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے اس کی آفاقیت اور عمومیت کو مقامیت میں تبدیل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہیں ہر غزل کے متعدد الفاظ پر فٹ نوٹ دینے پڑے ہیں۔ اس کے پڑھے جانے اور زندہ رہنے کا کتنا امکان ہے، یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔'' ۵؎

نظیر صدیقی کی اس رائے سے اس اعتبار سے اختلاف کی بہرطور گنجائش موجود ہے کہ غزل کی آفاقیت اور عمومیت کو مقامی رنگ اور آہنگ سے تو کوئی نقصان پہنچنے کا اس لیے امکان نہیں کہ غزلیہ شاعری اپنے موضوعات تغزل اور اسلوب کی بدولت ہی آفاقیت کے مقام بلند تک پہنچتی ہے جس کے اعلیٰ نمونے مقامی زبانوں میں بھی بہت بڑی تعداد میں ملتے ہیں۔ جہاں تک فٹ نوٹ کے اعتراض کی بات ہے تو دوسرے کئی شعراء مثلاً عبدالعزیز خالد کی بھی ایسی ہی صورت ہے۔ اگرچہ اس دلیل کو جواز کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ مگر دیکھا گیا ہے کہ نئے لفظ (فٹ نوٹ کے ساتھ ہی کیوں نہ ہوں) رفتہ رفتہ فصاحت کی منزل طے کرتے ہیں اور پھر رچ بس کر اس زبان کا حصہ بن جاتے ہیں۔ بہرحال یہ ناقدانہ حسن و قبیح اپنی جگہ، شیر افضل جعفری کی غزل اپنے منفرد رنگ، روحانی سرمستی اور متصوفانہ رموز و علائم اور عوامی لب و لہجے کی بدولت اُردو غزل میں ایک خوشگوار اضافہ قرار دی جاسکتی ہے۔

اب ہم شیر افضل جعفری کے چار مجموعہ ہائے کلام میں سے شعری مثالیں دے کر ان کے اور پنجابی ثقافت کے مابین گہرے تعلق کو دریافت کریں گے۔

دریائے چناب کے کناروں پر جھنگ دیس کی بستیاں، سوہنیاں اور ماہیوال کنواریاں اور سہاگنیں، جیالے، گھبرو اور متوالے چرواہے، یہاں کی ساری دنیا اس کی نظروں میں مناظر اور اشخاص کی دنیا نہ تھی۔ یہ بستیاں صرف اینٹوں گارے کے ڈھیر نہ تھے۔ یہ وادیاں صرف کونپلوں اور ڈالیوں کے فردوس نہ تھے۔ یہ لوگ صرف گوشت پوست کے ڈھانچے نہ تھے بلکہ یہ سب مظاہر ایک قدیم ولطیف روایت کے آئینے تھے۔ اس روایت کے اولین سرچشمے کسی بیرونی سلسلے سے نہیں پھوٹتے تھے بلکہ ان کے سوئے ماضی کے کسی گہرے گھمبیر زمانے میں لوگوں کے دلوں سے اور لوگوں کے کرداروں سے ابھرتے تھے۔ اس روایت کا افسانہ کسی کتاب پر سطر نہیں تھا۔ بلکہ یہ تحریر کالی کالی بدلیوں پر لکھی ہوتی تھی۔ اس میکانکی دور کے ربط وضبط کے اندر کون ہے جو بدلیوں کی سلوٹوں سے سطریں اور برستی پھوار کی بوندوں سے حروف اخذ کر سکے۔ یہ کام شیر افضل جعفری کا تھا۔ جس

نے بدلتی ہوئی دنیا کے ہنگاموں کے اندر مسرت اور محبت، مستی اور وجودان کی ایک انوکھی دنیا اپنے لئے آباد کی۔ اس دنیا کے اجزاء اور عناصر اس کے شعور نے اپنے چاروں طرف بکھرے ہوئے پائے۔ یہ اس کی سوچ کا معجزہ ہے کہ اس کے ماحول نے جو کچھ جس رنگ میں اسے دیا اس نے اس کی عکاسی میں کسی تصنع یا کسی بناوٹ کو شامل نہیں ہونے دیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا خیال گردو پیش سے ابھرا تھا۔ اس کا اظہار بھی اس نے اس زمانے کے لہجے میں کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے یہاں دیار جھنگ کی بولی کے میٹھے اور زندہ شہد بھی جگہ جگہ پائے گئے ہیں۔ یہ لفظ اس روایت کا حصہ ہیں اور ان کی اس سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

یہاں یہ ضمناً عرض کردینا ضروری ہے۔ اس مٹی کی دین ہے۔ اس دھرتی کی نمود ہے اس کے سینے پر کبھی ایک پرانی تہذیب آنکھیں ملتی ہوئی بیدار ہوئی تھی۔ اس تہذیب کے ڈانڈے اس زبان سے ملے ہوئے تھے۔ جو ہڑپہ کے کتبوں کی صورت میں ط ہے اور آج تک پڑھی نہیں گئی۔ باوجود تمام تحقیقی کاوشوں کے تا ہنوز اُردو کے نقطہ آغاز کا مسئلہ پوری طرح طے نہیں ہوسکا لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اُردو کے ارتقاء میں جہاں اور بولیوں اور پراکتوں نے حصہ لیا ہے وہاں اس پنجابی بولی نے بھی جو جھنگ، سرگودھا اور منٹگمری کے اضلاع میں بولی جاتی ہے اور جس کو گریرسن نے مشرقی ہندی سے جداگانہ بولی تصور کیا ہے۔ کسی نہ کسی حد تک اُردو کے مزاج ومنہاج کی نشان دہی کی ہے اور اگر راوی و چناب کے علاقوں کے وہ لفظ جنہیں وہاں کے لاکھوں انسان اپنی روز مرہ کی بول چال میں استعمال کرتے ہیں۔ شیر افضل جعفری کے شعروں میں آگئے ہیں۔ تو انہیں غیر مانوس نہیں کہا جاسکتا۔ ایک تو ان بولیوں کے الفاظ کا تاریخی رشتہ مسلم ہے دوسری طرف ان الفاظ کا اس روایت کے ساتھ گہرا تعلق ہے جو ان اشعار میں مضمر اور منعکس ہے۔

اپنے ماحول کی غیر مسطور روایت کو اس شخصیت نے ابدیت حسن اور بقائے وفا کے سانچوں میں ڈھلا ہوا دیکھا ہے۔ اس کی نگری، ایک اور سندرتا رکھنے والا دیس ہے۔ اس کی نگری کے باسی حسن، صدق ، وفا ، محبت کے پیکر ہیں۔ اس نے اپنی کائنات کے اندر یہی جوہر دیکھے ہیں۔ اس کی ہستی کا تقاضا ہے کہ وہ ایک گل آفرین خالق کی طرح اپنی دنیا کے اندر سدا بہار کلیاں کھلائے اور جب اظہار کی سطح آئے تو اس کا شعور غزل کے جاذب پیرائے اور دلنشین قوافی کے ذریعے اپنے شعر کا جادو جگائے اور یہی وجہ ہے کہ جب ہم ان کی نرم وگداز نظموں کو جن کے جسم پر غزل کا شبنمی پیرہن ہے اور ان لطیف وجمیل غزلوں کو جن کی روح کے اندر ایک سرشار نظمیت لڑکھڑا رہی ہے پڑھتے ہیں تو کبھی یوں محسوس ہوتا ہے گویا کہ کسی نے ہمارے ارضی رشتے کاٹ دیئے ہیں اور ہم کسی ان بوجھی کسک کے تحت کھوئے کھوئے سے ان منزلوں کی طرف رواں ہیں۔ جہاں شعلوں کی وادیوں میں وفاؤں کے گلزار مہک رہے ہیں۔ کبھی ہمیں ایسا لگتا ہے جیسے کائنات کی ساری وسعت تلوار کی دھار کی طرح ہے اور ہم اس کٹیلی دھار پر، مسرتوں کے دھارے کی طرح گزر رہے ہیں۔ کبھی اس طرح معلوم ہوتا ہے جیسے زمانہ دودھ کی ندی ہے اس کے کنارے کنارے سرسوں کے کھیت ہیں۔ جہاں ہر درد ایک میٹھی راحت ہے اور ہر خوشی ایک خوب صورت دُکھ ہے۔ بقول مجید امجد:

''اس کے شعر دلوں کے انداز زندگی کی محبت کی لو اتارتے ہیں اس کے جہاں خیال میں، موت کے سائے بھی، چنچل ترنگوں میں بیتی ہوئی شفق کے رنگوں کی طرح لہراتے ہیں اور ڈھلتے ڈھلتے افق حیات کو بھی چھو لیتے ہیں۔ یہی سحریت افضل کا فن ہے۔ یہی اس کا اعجاز ہے کہ دل کی ہر دھڑکن، ہر تڑپ کو، الفاظ کی قوس میں بدل دیا ہے جھنگ دیس کے اس مست الست نور گر کا یہ صعیفہ شعر، ایک ایسی مشعل ہے جو راھروں کو ہمیشہ ان کی سچائیوں کا راستہ دکھاتی رہے گی۔ جو دھیان کی دھنک کے اوٹ میں بستی ہیں۔ ۶؎

شیر افضل جعفری چناب دیس (جھنگ) کے رہنے والے ہیں ان کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انہوں نے اپنے تمام کلام میں جھنگ کے ماحول قدرت کے حسین مناظر حسن وعشق کے قصے دریائے چناب جھنگ کی بولی غرض ہر چیز کو بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر شعر کے قالب میں ڈھالا ہے۔

ہر شاعر یا ادیب کو اپنے علاقے سے محبت ہوتی ہے اور اس کا اندازہ اس کی تحریر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے ۔ اس طرح ہم جب شیر افضل جعفری کے کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں جھنگ کا ذکر جابجا اشعار میں ملتا ہے۔

؎ جھنگ میں تو بسنت بن کر آ
میرا ماحول کیسری کردے ۷؎

؎ حیات چاندنی کی جھیل پر وضو کرکے
نکھارتی ہے جوانی میں جھنگ والوں کو ۸؎

؎ دے کے اُردو کو جھنگ رنگ افضل
ہم نے کوثر میں چاندنی گھولی ۹؎

؎ وقت کے جھنگ رنگ ٹیلوں پر
آدمیت اگا رہا ہوں میں ۱۰؎

جھنگ کے علاوہ انہوں نے چناب کو بھی اپنا موضوع بنایا ہے۔ لفظ چناب کو انہوں نے کبھی دریا اور کبھی سرزمین کے حوالے سے موضوع سخن بنایا ہے۔

؎ سرزمین چناب کو افضل
آسماں بھی سلام کرتا ہے ۱۱؎

؎ گرجتی گھٹائیں سیفنہ سفینہ
چناب اور جہلم پسینہ پسینہ ۱۲؎

؎ حسینوں کو یہ پلائیں گلاس بھر بھر کے
سخی چناب کو یوں غیرت فرات کریں ۱۳؎

؎ میری آنکھوں کا پاک دوآبہ
رشک ستلج بیاس ہے سائیں ۱۴؎

شیر افضل جعفری کو اپنی مٹی سے بے پناہ محبت ہے جس کا اندازہ ان کے کلام سے بخوبی ہوتا ہے۔ انہیں اپنا دیس اپنا علاقہ ہر خوب صورت جگہ سے زیادہ حسین و دلکش نظر آتا ہے کہیں وہ اپنے علاقے کو حسین و دلکش وادیوں سے ملاتے ہیں اور کہیں اپنی دھرتی کو ان سے زیادہ خوب صورت تصور کرتے ہیں۔

؎ یہ تھل یہ سوہنا موسم یہ بوند بوند پھوار
یہ کتنا بانکڑا چیلنج ہے نا مری کے لئے ۱۵؎

؎ سری نگر میری بانہوں میں کھلکھلائے گا
مہک اٹھیں گے نظارے حسین چناروں کے ۱۶؎

شیر افضل جعفری نے اپنے اردگرد پائی جانے والی دلکشی اور حسین و جمیل مناظر کو بڑے خوبصورت انداز میں اپنے الفاظ میں سمویا ہے۔ انہوں نے اپنے دھرتی کے ٹیلوں، درختوں، ندیوں، موسموں، بیلوں اور حسن و عشق کو بڑے ہی دل آویز انداز میں موضوع سخن بنایا ہے۔ حسن و عشق جو کہ پنجاب کی ریت رہا ہے۔ سوہنی مہینوال، ہیر رانجھا اور سیالوں کا ذکر بھی اپنی کلام میں کیا ہے۔

؎ ارم کے پھول ازل کا نکھار طور کی لو
سخی چناب کی وادی میں آکے جھنگ ہوئے
یہ ریگ زار یہ ٹیلے یہ خشک ویرانے
ہمارے لطف نظر سے گلاب رنگ ہوئے
۱۷؎

؎ یہ جل ترنگ یہ بیلہ یہ سیل سیل چناں
گھٹانے جھوم کر لہرا دیا ہے بالوں کو
۱۸؎

اسی طرح شیر افضل جعفری نے کبھی ساون کی جھڑیوں کبھی بہار کی آمد اور کبھی بھاگن، بہاروں اور جیٹھ کے مہینوں کے ذریعے موسم کو بیان کرنے کی سعی کی ہے اور شعروں کو موسم کی مناسبت میں ڈھال کر بیان کیا ہے۔

؎ جھنگ میں چیت کے جھونکے آئے
بیری کو بُندے پہنائے
شاخوں نے انگڑائی لی ہے
جاگ اٹھے پیپل کے سائے
ڈالی ڈالی وجد میں آئی
کل چڑیوں نے ٹپے گائے
رم جھم رم جھم امرت برسا

ہریالی نے جشن منائے ۱۹؎

؎ مجھ بہاراں پرست کا دامن
عین بھاگن میں لیر لیر ہوا
۲۰؎

؎ پھاگن ہے خنک چاندنی ہے آب رواں ہے
ایسے میں تو اے ساقی گلفام کہاں ہے
۲۱؎

؎ جیٹھ میں عابد کو بہلائے
جھونکے آئیں پھل پھاگن کے
۲۲؎

دیگر شعراء اور ادیبوں کی طرح شیر افضل جعفری نے بھی اپنے کلام میں ہیر رانجھے، سوہنی مہینوال اور حسن وعشق کو شامل کیا ہے کیونکہ شاعری اس کے بغیر ادھوری ہے۔ جس طرح حسن وعشق کے بغیر ادھورا ہے۔ اس طرح سیالوں کا ذکر بھی جابجا شعروں میں ملتا ہے۔

؎ کچے گھڑے پہ دیکھ کے بنتِ چناب کو
موجیں اٹھی ہیں خود میں کنارا لیے ہوئے ۲۳؎

شیر افضل جعفری نے ہیر رانجھے کے قصے کو تصوف کے تناظر میں بھی دیکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب ''موج موج کوثر'' میں صوفیانہ رنگ اور اثرات نمایاں ہیں۔

؎ ازل سے وانجھلی کو سلگا رہا ہوں
مجھے اب تو رضا کی ہیر دیجیے ۲۴؎

؎ روح کی وانجھلی کے جادو سے
میں خدا کو بھی ہیر کرتا ہوں ۲۵؎

شیر افضل جعفری نے خاص طور پر پنجاب کی الہڑ مٹیار او رجفاکش گھبرو جوانوں کی موج مستیوں کا ذکر بڑے من موہنے انداز میں کیا ہے۔

؎ یہ مست مست سانول یہ چور چور گھبرو
ان کی ادا ادا پر قربان گوریاں ہیں
دل لاج لاج آنکھوں کی اس رہزنی پہ صدقے
کیا نیک نیتیں ہیں کیا پاک چوریاں ہیں ۲۶؎

ثقافت کے فروغ کے لیے جہاں بہت سے عناصر کا عمل دخل ہوتا ہے وہاں زبان کو بھی ثقافت کا عملی اظہار کہا جاتا

ہے۔ شاعری کا تعلق چونکہ ثقافت کے مختلف رنگوں سے ہوتا ہے اس لئے ادب کی دوسری اصناف کی طرح شاعری بھی ثقافتی قدروں کو زندگی وتوانائی عطا کرتی ہے۔ زبان تہذیب وثقافت کی ترجمان اور نگہبان ہوتی ہے۔ اسی طرح شیر افضل جعفری نے اپنی غزل میں بہت سے میٹھے اور رسیلے پنجابی کے الفاظ استعمال کئے ہیں کیونکہ وہ اپنی بولی کو عام کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے کلام میں پنجابی کے الفاظ شامل کیے ہیں جو غزل کی روایتی ڈکشن کا حصہ نہ ہونے کے باوجود نامانوس نہیں لگتے بلکہ اشعار کی دلکشی میں اضافہ کرتے ہیں یہ لفظ پنجاب کی روایت کا حصہ ہیں اور انہیں اس سے جُدا نہیں کیا جاسکتا۔

حوالہ جات

۱۔ شیر افضل جعفری، دیباچہ بعنوان ''میں'' مشمولہ'' ''موج موج کوثر'' ص ۸، فیصل آباد قرطاس، ۱۹۸۹ء

۲۔ شیر افضل جعفری، سراج میر کا فلیپ، مشمولہ'' شہر صدا رنگ'' فیصل آباد، قرطاس، ۱۹۸۰ء

۳۔ حنیف فوق، ڈاکٹر، اُردو غزل کے نئے زاویے، مشمولہ'' فنون'' لاہور، جدید غزل نمبر، ص ۱۳۱،

۴۔ شیر افضل جعفری سمیع اللہ قریشی کا فلیپ، مشمولہ'' شہر سدا رنگ''، فیصل آباد، قرطاس، ۱۹۸۰ء

۵۔ نظیر صدیقی ''اُردو غزل کدھر؟'' مشمولہ، جدید اُردو غزل..... ایک مطالعہ، ص ۲۳۲

۶۔ مجید امجد، دیباچہ، مشمولہ من بھانوے، شیر افضل جعفری، لاہور، باراوّل اگست ۱۹۶۳ء مکتبہ ادب جدید چوک بل روڈ لاہور ص۔ ۱۲ تا ۱۸۔

۷۔ شیر افضل جعفری، سانولے من بھانولے۔ اشاعت باراوّل اگست ۱۹۶۳ء امان عاصم مکتبہ ادب جدید چوک بل روڈ لاہور ص۔ ۱۰۴۔

۸۔ ایضاً ص ۵۵

۹۔ ایضاً ص ۸۶

۱۰۔ ایضاً ص ۱۰۸

۱۱۔ ایضاً ص ۵۱

۱۲۔ شیر افضل جعفری، نہر شام وسحر، لاہور، جنوری فروری ۱۹۹۰ء، لاہور، ص: ۱۲

۱۳۔ شیر افضل جعفری۔ موج موج کوثر۔ ص ۱۱۶

۱۴۔ ایضاً ص ۸۳

۱۵۔ ایضاً ص ۱۶۶

۱۶۔ شیر افضل جعفری، چناب رنگ ،ص ۱۲

۱۷۔ شیر افضل جعفری ، سانولے من بھانولے ،ص ۲۷

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ شیر افضل جعفری ،نمبر شام وسحر (لاہور) جنوری فروری ۱۹۹۰ء

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ شیر افضل جعفری ، چناب رنگ ،ص ۔۱۱

۲۲۔ شیر افضل جعفری ، موج موج کوثر ص ۱۳۲

۲۳۔ شیر افضل جعفری ، چناب رنگ ،ص ۱۱

۲۴۔ شیر افضل جعفری ، موج موج کوثر ص ۸۷

۲۵۔ شیر افضل جعفری سانولے من بھانولے ،ص ۱۱۸

۲۶۔ شیر افضل جعفری ، سانولے من بھانولے ،ص ۸۲